راه اعتدال

محمد اسرار مدنی

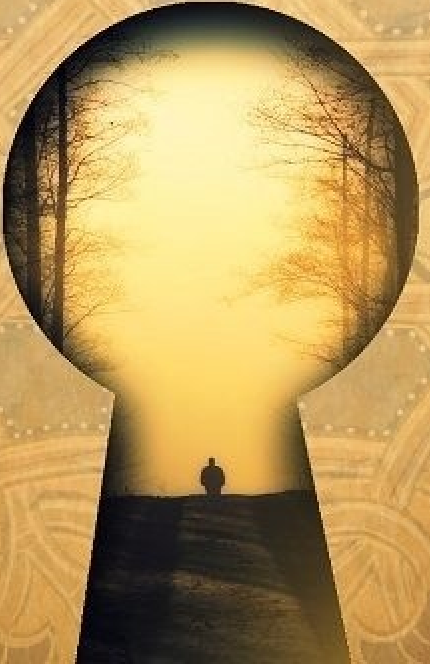

سنی، شیعہ، بریلوی، ، دیوبندی، اہل حدیث
اور دیگر مکاتب فکر کے درمیان

راہِ اعتدال

ترتیب تدوین

مولانا محمد اسرار مدنی
مجلس تحقیقات اسلامی

جاری کردہ: کل مسالک علماء بورڈ لاہور 0332 9174191

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب:	راہِ اعتدال
ترتیب وتدوین:	محمد اسرار مدنی، مجتبیٰ احمد
ضخامت:	۴۸ صفحات
ناشر:	مجلس تحقیقات اسلامی
بہ تعاون:	انٹرنیشنل ریسرچ کونسل برائے مذہبی امور
برقی رابطہ:	email : ircra313@yahoo.com https://www.facebook.com/IRCRA/
موبائل نمبر:	0332 9174191 - 0311 0969776
اسٹاکسٹ:	مکتبہ عمر فاروقؓ، قصہ خوانی بازار پشاور

ملنے کے پتے

- ☆ مجلس تحقیقات اسلامی پی او بکس نمبر ۵ نوشہرہ
- ☆ اقبال بین الاقوامی ادارہ برائے تحقیق و مکالمہ
- ☆ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اولڈ کیمپس اسلام آباد
- ☆ سعید بک، بینک جناح سپر مارکیٹ اسلام آباد
- ☆ مسٹر بکس، ایف سکس، سپر مارکیٹ اسلام آباد
- ☆ مرکزی آفس کل مسالک علماء بورڈ لاہور
- ☆ ندوۃ المصنفین اردو بازار لاہور

فہرست

عرض مولف .... محمد اسرار مدنی ۵

باب اول ۸

تکفیری سوچ !ایک دوسرے کے خلاف شرک ،کفر اور گستاخ رسول کے فتاویٰ ۸

مسلمان کون ہے ؟ ۹

کافر قرار دینے کی ممانعت ۱۰

فقہی اختلاف تکفیر کا باعث نہیں ۱۱

فقہی اور فروعی اختلافات فتنہ و فساد کا باعث نہ بنیں ۱۲

عقیدے اور رائے کی آزادی ۱۳

دین اسلام میں کوئی جبر نہیں ۱۳

امام مالکؒ کی وسعت قلبی ۱۵

قبولیت اور برداشت ۱۵

شائستگی اور خیر خواہی ۱۶

مقدسات کا احترام ۱۶

بدگمانی سے بچنا ۱۶

دوسرے مسالک کے بارے میں رائے قائم کرنے کا اصول ۱۷

توہین اور گستاخ کے فتاویٰ سے اجتناب ۱۷

آپ دوسروں کے اعمال کے ذمہ دار نہیں ۱۷

فرقہ وارانہ اختلاف کی مذمت اور باہمی محبت کی تلقین ۱۸

سماجی روابط معاشرے کی ضرورت ہیں ۱۹

باب دوئم ۲۱

(فرقہ وارانہ انتہاپسندی میں فریق مخالف کے خلاف تشدد
کیلئے مذہبی دلائل اور دینی اصطلاحات کا استعمال) ۲۱

فتنہ وفساد کا خاتمہ ۲۲

جنگ اور جہاد میں ظلم اور جارحیت کی نفی ۲۳

نہی عن المنکر کی شرائط ۲۳

باب سوئم ۲۶

فرقہ وارانہ انتہا پسندی اور تشدد کے داخلی عوامل ۲۶

عصبیت جاہلیہ کی مذمت ۲۷

قومی مفاد کو ترجیح دینا ۲۹

آداب اختلاف اور تنوع ۲۹

مسالک پر پابندی غلط اقدام ہے ۳۰

چند آداب اختلاف ۳۱

دوسرے مسالک کے بارے میں حتمی رائے سے گریز ۳۲

معاشرے میں محبت اور امن کا فروغ ۳۳

علمی مباحث کو علماء تک محدود رکھا جائے ۳۴

فرقہ پرست عناصر کی حوصلہ شکنی ۳۴

تعلیم وتربیت اور مدارس کا کردار ۳۵

باب چہارم ۳۶

فرقہ وارانہ انتہا پسندی میں عالمی حالات اور بیرونی عوامل ۳۶

بیرونی سازشیں، عالم اسلام کے اندر فرقہ وارانہ تقسیم،
خطے میں عالمی طاقتوں کے مفادات اور عزائم

خود احتسابی ۳۷

خارجہ پالیسی کو بہتر بنانا ۳۷

باب پنجم ۳۹

پاکستان میں مسلکی ہم آہنگی کی راہ میں رکاوٹیں ۳۹

عوام اور مسلکی اختلاف ۴۰

بین المسالک ہم آہنگی کے فروغ کا لائحہ عمل وتجاویز/تدریجی حکمت عملی ۴۲

علمائے کرام اور مذہبی سکالرز کی ذمہ داریاں ۴۲

عوام الناس اور رفاہی تنظیموں کا کردار ۴۴

حکومت/ریاست کی ذمہ داریاں ۴۵

ملی یکجہتی کونسل ۴۷

عرض مولف !

فرقہ وارانہ دہشت گردی پاکستان کی سلامتی اور استحکام کے لئے ایک بڑا چیلنج ہے۔ گزشتہ کچھ برسوں کے دوران ہزاروں افراد اس فرقہ وارانہ تشدد کا نشانہ بن چکے ہیں جن میں پروفیسر، دانشور، علماء، وکلاء، تاجر، ڈاکٹر، انجینئر، سول و عسکری آفیسرز اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے ماہرین کے علاوہ نوجوان، طلبہ، بچے، بوڑھے اور خواتین شامل ہیں جن کو محض مسلکی وابستگی کی بنا پر نشانہ بنایا گیا۔ اس تشدد اور انتہا پسندی کی وجہ سے ایک طرف خوف اور منافرت کی فضا عام ہو رہی ہے اور دوسری طرف اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل افراد بیرون ملک منتقل ہو رہے ہیں۔ یہ رجحان عالمی سطح پر پاکستان کے وقار اور تشخص کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ اختلاف رائے میں کوئی عیب نہیں مگر آج بعض مقامات پر ہمارے مسلکی اختلافات دشمنی و عناد، الزام تراشی، کذب و افتراء یہاں تک کہ ایک دوسرے کی تکفیر سے بڑھ کر خون ریزی کی حد کو پہنچ گئے ہیں۔ مذہبی حلقوں میں باہمی عداوتوں کے نتیجے میں دین اسلام کو بدنام اور موردِ الزام ٹھہرایا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہماری سماجی و سیاسی زندگی پر بھی بہت زیادہ منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ مسلکی اختلاف کی اس دلدل میں مذہب کی اعلیٰ اقدار اور اخلاقیات کو مکمل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

اگرچہ بعض حلقوں کی جانب سے یہ موقف پیش کیا جاتا ہے کہ پاکستان میں کوئی فرقہ وارانہ تشدد نہیں ہے، پاکستان میں ہونے والے فرقہ وارانہ قتل و غارت میں دشمن ممالک کی ایجنسیاں شامل ہیں۔ ان کے نزدیک مسالک کے درمیان فروعی اختلافات ہیں جبکہ بنیادی عقائد پر کوئی اختلاف نہیں۔ تاہم دیگر مذہبی مفکرین اور سکالرز کے نزدیک یہ تصور مصنوعی اور سطحی نوعیت کا دکھائی دیتا ہے کیونکہ فروعی اور فقہی اختلاف کی بناء پر کوئی مسلک دوسرے مسلک کی تکفیر نہیں کرتا۔ ایک دوسرے مسالک کے بارے میں فتویٰ لگانے

والوں میں برصغیر کے جید علمائے کرام بھی شامل رہے ہیں۔ سلامتی امور کے ماہرین کے مطابق بیرونی سازشوں کے امکانات سے قطع نظر حالیہ فرقہ وارانہ تشدد میں نہ صرف مختلف مسالک کے افراد ملوث ہیں، بلکہ اپنے عمل کو جائز قرار دینے کے لئے اپنے مسالک کے اکابرین کے دیے گئے فتوؤں کا ہی سہارا لیتے ہیں۔

پاکستان میں اتحاد و اتفاق کی بحث کے تناظر میں تمام مذہبی طبقات مسالک کی موجودہ تقسیم کو حقیقت مانتے ہیں اور ان کے ادغام کو خارج از امکان سمجھتے ہیں۔ اس لئے سب اس بات پر متفق ہیں کہ اپنے اپنے عقائد و نظریات پر کاربند رہتے ہوئے اتحاد و اتفاق کی کوششیں کی جا سکتی ہیں۔ اہل فکر و نظر کی جانب سے یہ تجویز سامنے آئی کہ فرقہ وارانہ تشدد کے موجودہ تصورات اور اسباب کا عمیق جائزہ لیا جائے تا کہ ان کی روشنی میں اتحاد امت کے لئے ایک متبادل بیانیہ اور لائحہ عمل مرتب کیا جا سکے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ متبادل یا جوابی بیانیہ (Counter Narrative) فقط کسی ایک دستاویز کا نام نہیں بلکہ یہ مسلسل سماجی تعامل کا نام ہے۔ اس دستاویز سے مسلکی اور منافرت کے اثرات کو زائل کرنے میں یقیناً مدد ملے گی۔ بیشتر مذہبی مفکرین کی رائے کے مطابق ماضی میں بھی پاکستان میں علمائے کرام نے بین المسالک ہم آہنگی کے لئے کوششیں کی ہیں جو کافی حد تک ثمر آور رہی ہیں جن کی بدولت فرقہ وارانہ تشدد ایک حلقے تک محدود رہا اور عوام اس سے لاتعلق رہے۔ الحمد للہ کہ آج بھی تقویٰ شعار، اعلیٰ کردار، اعتدال پسند اور صاحب بصیرت علماء و صلحائے امت کا ایک گروہ موجود ہے جو امت مسلمہ کے درد کو سمجھتا ہے اور پاکستان میں اتحاد امت کے لئے ہر محاذ پر کوشاں ہے۔

ماضی قریب میں ملی یکجہتی کونسل، متحدہ مجلس عمل سمیت کئی فورم معرض وجود میں آئے جس میں تمام مکاتب فکر کے جید علماء کرام نے مسلکی شدت پسندی کے خلاف بھرپور جہاد کیا، اسی طرح تمام مکاتب فکر کے جید اکابرین اجتماعیت اور وحدت کے موضوعات پر کتابیں لکھیں اور مسلکی منافرت کو کم کرنے میں کردار ادا کیا، زیرنظر کتابچہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا بیشتر حصہ راقم نے بین المسالک ہم آہنگی کا بیانیہ اور لائحہ عمل کے عنوان سے جید علماء کرام کے ساتھ ہونے والے علمی اور فکری نشستوں سے اخذ کیا، اور پھر برادرم مجتبیٰ احمد صاحب کے تعاون سے حیطہ تحریر میں لایا۔

اس دستاویز میں بنیادی توجہ وطن عزیز میں مسلکی تقسیم کے اعتبار سے صرف عوامی تصورات کو زیر بحث لایا گیا ہے، جسے اہل علم نے خوب سراہا،اس کی اشاعت سے پہلے اس کے مختلف کالم اور مضامین بنا کر مختلف رسائل اخبارات اور سوشل میڈیا میں شائع کئے تاکہ ارباب علم و دانش اور عوام الناس میں قبولیت حاصل کرے اور اگر کوئی غلطی اور ہو تو اصلاح کرسکیں۔ البتہ لبرل ازم اور سیکولرازم کی معاصر تحریکیں اس بحث سے خارج ہیں مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض اوقات وہ منافرت اور فرقہ واریت ہی مسلکی تنظیموں کو بہت پیچھے چھوڑ دیتے ہیں، جس پر الگ سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

امید ہے کہ یہ حقیر کاوش تمام مکاتب فکر کے درمیان قربت لانے میں اور فرقہ وارانہ شدت پسندی کے خاتمے میں بھرپور کردار ادا کرے گی۔

آخری درخواست! یہ کوئی حتمی دستاویز نہیں اس میں خطا و صواب کا بھرپور امکان موجود ہے، لہٰذا تمام اکابر و اصحاب قلم سے گزارش ہے کہ وہ اس پر نظر ثانی فرما کر غلطیوں کی نشاندہی فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اس کا ازالہ ہوسکے، اوراس کاوش میں تعاون کرنے والے تمام اہل علم خصوصاً مجتبیٰ احمد ،رشید احمد، ڈاکٹر حسن الامین ،مولانا تحمید جان ازہری ،مولانا عاصم مخدوم وغیرہ کواللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ امین

از:

محمد اسرا مدنی

مجلس تحقیقات اسلامی

باب اول:

تکفیری سوچ!

ایک دوسرے کے خلاف شرک،

کفر اور گستاخ رسول کے فتاویٰ

مسلمان کون ہے؟

پاکستان میں جب بھی ہم فرقہ واریت کی بات کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ مسلمان کی متفقہ تعریف کیا ہے؟ کون مسلمان ہے؟ اور کون نہیں؟ اس مسئلے کا بہترین حل آئین پاکستان ہے جس میں مسلمان کی تعریف پر تمام مکاتب فکر کے جید علماء کرام اور سیاسی قائدین کا اتفاق رہا ہے۔ آئین پاکستان کی دفعہ کے مطابق مسلم سے مراد ایسا شخص ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحدت وتوحید، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کے آخری پیغمبر ہیں، کے خاتم النبین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان رکھتا ہو اور کسی بھی ایسے مدعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کے نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو یا دعویٰ کیا ہو۔ اور غیر مسلم سے مراد ایسا شخص ہے جو مسلم نہ ہو اور اس میں عیسائی، ہندو، سکھ، بدھ یا پارسی فرقہ سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص، قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو خود کو احمدی یا کسی اور نام سے موسوم کرتے ہیں) کا کوئی شخص، یا کوئی بہائی اور جدولی ذاتوں میں سے کسی سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص شامل ہیں۔

مذکورہ بالا تعریف کے مطابق پاکستان میں مسلمانوں کے تمام فرقے مسلمان ہیں۔ مسلمان کی اس تعریف پر تمام مسالک (دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ) کے اکابرین علماء متفق ہیں اور آئین پاکستان پر ان کے دستخط موجود ہیں۔

☆ ۱۹۵۲ء کی متحدہ علماء کمیٹی، متحدہ مجلس عمل، ملی یکجہتی کونسل، اتحاد تنظیمات مدارس اور دیگر اتحاد میں تمام مسالک کا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا اس بات کی علامت ہے کہ ہر مسلک دوسرے مسلک کو مسلمان سمجھتا ہے۔

☆ مسلمانوں کے یہ فرقے اسلام کے بنیادی اعتقادات جیسے توحید و رسالت، وحی، آسمانی کتابوں کے نزول، آخرت، ملائکہ کے وجود، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت، تقدیر اور بنیادی ارکان جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی فرضیت پر یقین اور ایمان رکھتے ہیں۔

☆ آئین پاکستان میں بیان کردہ مسلم اور غیر مسلم کی تعریف کے علاوہ کسی مسلمان فرقے کو کافر قرار دینا اور سمجھنا آئین پاکستان کی صراحتاً توہین ہے۔ اس لیے ایک مسلمان ریاست میں رہتے ہوئے اس طرح کا تکفیری منہج یا تکفیری طرز عمل انتہائی غلط ہے۔

کافر قرار دینے کی ممانعت

☆ جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا اسے کافر کہنا کسی طرح درست نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جس شخص نے بھی کسی بھائی کو کہا کہ اے کافر! تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہوگیا۔ (صحیح مسلم: ٦٠)

☆ حدیث شریف میں ارشاد ہے:

اگر کسی نے دوسرے کو کافر کہا، تو ان میں سے ایک نے کفر کیا۔ اگر دوسرا شخص کافر ہے تو اس کے ساتھی نے درست بات کہی، اور اگر وہ ایسا نہ تھا جیسا اس نے کہا (یعنی اگر وہ کافر نہ تھا) تو کافر کہنے والا کفر کیساتھ لوٹا (صحیح مسلم: ۲۰)۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تین باتیں ایمان کی بنیاد میں سے ہیں۔ جو لا الہ الا اللہ کہے اسے تکلیف نہ دینا، کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کرو اور نہ ہم اسے کسی عمل سے اسلام سے نکالیں (سنن ابی داود: کتاب الجھاد، باب الغزو مع ائمة الجور، ص ۳۵، ج ۱، مکتبہ حقانیہ)

☆ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے بارے میں امام ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو مناظرہ کرتے دیکھا تو

ان کو منع کر دیا۔ آپ کے صاحبزادے نے کہا کہ آپ خود تو یہ کام کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہم بات اس طرح کرتے ہیں کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ تم مناظرہ کرتے ہو تو تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کا کفر چاہتا ہے۔ جو اپنے ساتھی کے لیے کفر کا ارادہ کرے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ النوازل، ص: ۸٦، امام ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراهیم سمرقندی، دار الکتب العلمیه، بیروت، لبنان)

☆ علمائے امت نے صراحت کی ہے کہ کسی مسلمان سے کوئی ایسا قول وفعل سرزد ہو جس میں ننانوے احتمالات کفر کے اور صرف ایک احتمال صحیح نکلتا ہو تو حسنِ ظن رکھتے ہوئے اس ایک صحیح احتمال کی بنیاد پر اسے مسلمان کہا جائے گا اور اس پر کفر کا فتویٰ عائد نہیں کیا جائے گا۔

☆ علمائے کرام اس بات میں تو علمی طور پر اختلاف کرتے ہیں کہ کسی کو کافر قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ مگر سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی شخص کو محض اس کے کفر کی وجہ سے قتل کرنے کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔

☆ ہر گروہ کے علما خود بھی صدقِ دل سے اس کے قائل ہوں اور اپنے پیروکاروں کو بھی قائل کریں کہ ہم جو عقائد وتصورات رکھتے ہیں، ان کی وجہ یہ نہیں کہ ہم باقی تمام مسلم فرقوں کے عقائد وتصورات کو یکسر غلط یا کفر سمجھتے ہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ دلائل کے اعتبار سے ہمارے عقائد ونظریات قابلِ ترجیح ہیں، لیکن ہم شرعاً یہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں کہ دوسرے سب غلط یا خدانخواستہ کفر پر ہیں۔

☆ کسی نظریہ یا عقیدہ کی تکفیر کرنا ایک الگ معاملہ ہے اور کسی شخص یا گروہ کو کافر قرار دینا ایک الگ مسئلہ ہے۔ علمائے دین کلماتِ کفر کو کفر قرار دے سکتے ہیں مگر کسی شخص نے کفر کا ارتکاب کیا ہے یا نہیں اس کا فیصلہ قاضی یا عدالت کرے گی۔

فقہی اختلاف تکفیر کا باعث نہیں

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فقہی اختلافات تکفیر کا باعث نہیں بنے اور کسی نے فقہی اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے کو کافر نہیں کہا، مثلاً نماز اور دیگر عبادات کی ادائیگی کے

طریقہ کار میں اختلافات وغیرہ۔ مسالک کے درمیان بعض اوقات قرآن وحدیث کی تاویل وتفسیر میں فرق ہوتا ہے۔ ایک مسلک نے قرآن وحدیث سے ایک طرح کا حکم لیا ہے اور وہ اس پر عمل کر رہے ہیں، جبکہ دوسرے مسلک نے دوسری طرح کا حکم لیا ہے اور وہ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ اس میں جتنی ہم آہنگی ہوسکتی ہے وہ اچھی ہے اور جہاں نہیں ہوسکتی وہاں اپنے نقطہ نظر پر عمل کرنا ہی مناسب ہے۔ ۔ اختلاف میں کوئی حرج نہیں لیکن تناؤ، قتل وغارت اور تشدد کی کیفیت نہیں ہونی چاہیے۔

وہ اختلاف جس کی نوعیت علمی وتحقیقی ہے وہ برا نہیں بلکہ قابلِ تعریف ہے، یہ اختلاف بلاشبہ باقی رہنا چاہیے کہ زندگی کی علامت اور علم واستدلال کے لیے مہمیز ہے، لیکن ایسا اختلاف جس کی عمارت دوسرے سے نفرت، اسے باطل، بدعتی اور کافر وگستاخ قرار دینے جیسی خطرناک بنیادوں پر کھڑی ہوئی ہے۔ یہ باعثِ رحمت اختلاف کو بھی زحمت اور عذاب میں بدل دیتا ہے۔

فقہی اور فروعی اختلافات فتنہ وفساد کا باعث نہ بنیں

یحییٰ بن سعید انصاری رحمۃ اللہ علیہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، فرماتے ہیں: اہل علم وسعت اختیار کرنے والے ہوتے ہیں، اس لئے ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ چنانچہ ایک ہی چیز کو ایک عالم اور مفتی حلال قرار دیتا ہے اور دوسرا اسے حرام قرار دیتا ہے، اس لئے نہ تو پہلا دوسرے کو برا کہتا ہے اور نہ ہی دوسرا پہلے کو۔ (سیر اعلام النبلاء ۵/۴۷۴، ۴۷۳) تحقیق : شعیب الأرنؤوط، طبع دوم الرسالۃ

امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے یہ جو کچھ ہے ایک رائے ہے جس پر ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے اور نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ کسی (دوسرے مجتہد) پر اسے قبول کرنا لازمی ہے، جسکے پاس اس سے بہتر کوئی بات ہو اور وہ لے آئے (یعنی ہم اسے بخوشی قبول کر لیں گے) (الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء مالك والشافعی و أبی حنیفہ للحافظ ابن عبد البر (ت ۴۶۳ھ، ص ۱۴۰، دار الکتب العلمیہ بیروت/تعلیق عبد الفتاح أبو غدہ ص: ۲۵۸ مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ بحلب۔ ۱۹۹۸ء

عقیدے اور رائے کی آزادی

تکفیر کا مسئلہ کلامی اور عقیدتی بحثوں سے جڑا ہوا ہے اور ہر ایک مسلک کے لوگ اپنا ایک خاص عقیدہ یا نظریہ رکھتے ہیں۔ عام طور پر عوام کے نزدیک مذہبی نظریات ناقابلِ تغیر ہوتے ہیں اور اسی لیے زیادہ معتبر ہوتے ہیں۔ اس لئے جب کوئی مسلک اپنے عقیدے کا اظہار کرتا ہے تو دوسرے مسلک کے وابستگان کو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ ان کا عقیدہ درست نہیں یا وہ غلط کہہ رہے ہیں، یا یہ کہنا کہ ان کا عقیدہ یہ نہیں کچھ اور ہے۔ کسی بھی مسئلہ پر دوسروں کی رائے اور دلیل جانے بغیر یکطرفہ رائے سے مسلکی اختلاف کو تقویت ملتی ہے۔

صدرِ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خلافت کے معاملے کا فیصلہ جس طرح سے ہوا، اس پر مختلف مسالک کے پاس کیا دلائل ہیں اور کن دلائل میں کتنا وزن ہے، اس سے قطعِ نظر ہمیں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ یہ معاملات اب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں اور تاریخ کے واقعات کو ہم اکیلے اکیلے کیا باہم اتفاق رائے سے بھی نہیں بدل سکتے۔ آج جو مسالک موجود ہیں ان کا اُن واقعات کی تخلیق میں قطعاً کوئی حصہ نہیں۔ اب اگر کوئی شخص ان واقعات کا مطالعہ کرکے ان کے بارے میں ایک رائے قائم کر لیتا ہے اور دوسرا کسی دوسری رائے تک پہنچتا ہے تو دونوں کے لئے باہمی احترام اور ایک دوسرے کو آزادیِ رائے دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کے لئے دونوں کو ایک دوسرے کی رائے جاننے اور رائے رکھنے میں آزاد قرار دینا ہوگا۔

فرقہ واریت کا وجود بھی مسلّم ہے اور ہر فرقے کا اپنے آپ کو ہی برحق سمجھنا بھی ایک حقیقت ہے۔ لیکن دیگر مسالک کے بارے میں ایسا طرزِ عمل اختیار نہیں کیا جا سکتا جو کسی بھی قسم کی کشیدگی کا سبب بنے۔ ہر ایک فرقے اور مسلک کو اپنے عقائد بیان کرنے کی اجازت ہے لیکن دیگر مسالک کے خلاف شدت پسندی کے جذبات کو فروغ دینا، کیچڑ اچھالنا، گالی گلوچ اور نفرت انگیزی مناسب نہیں۔

دینِ اسلام میں کوئی جبر نہیں

اسلام میں مذہبی منافرت اور انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں اور قرآن مجید کی

متعدد آیات ایسی روش کی مذمت کرتی ہیں۔ دین اسلام کے اندر کسی قسم کا جبر، تنگی اور سختی نہیں ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرۃ: ۲۵۵)

دین میں کوئی زبردستی نہیں بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔

ہر انسان کو زندگی کا راستہ و طریق منتخب کرنے میں کلی طور پر آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، کسی کو حق حاصل نہیں کہ وہ جبر و زیادتی سے اپنا راستہ اور طریق زندگی دوسروں پر ٹھونسنے کی کوشش کرے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس: ۹۹)

اگر تیرا پروردگار چاہتا کہ لوگوں کو مومن بنا دے تو زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔

قرآن حکیم میں ایک مقام پر رسول کریم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف: ۲۹)

اور فرما دیجئے کہ یہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔

اسلام دین میں شدت اختیار کرنے سے منع کرتا ہے؛ فرمایا:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ (المائدۃ: ۷۷)

کہہ دو اے کتاب والو، اپنے دین میں ناحق شدت اختیار نہ کرو۔ اور ایسے پہلے لوگوں کی خواہش پر نہ چلو جو خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سے دوسروں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔

امام مالکؒ کی وسعت قلبی

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے خلیفہ وقت نے درخواست کی کہ ان کی تصنیف موطا کو خلافت کی عملداری والے تمام علاقوں میں نافذ کر کے تمام لوگوں کو اس پر عمل کا پابند بنا دیا جائے تو امام مالک نے اس تجویز کو پسند نہیں کیا اور خلیفہ کو ایسا کرنے سے منع کر دیا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ لوگوں تک دین کے بارے میں مختلف باتیں پہنچی ہیں اور انہوں نے مختلف احادیث سن رکھی ہیں، مختلف علاقوں کے لوگوں تک جس جس انداز سے دین پہنچا وہاں کے لوگوں نے اسے اختیار کر لیا، اب جس چیز کو وہ درست سمجھ کر اختیار کر چکے ہیں انہیں اس سے روکنا بہت سنگین ہوگا، اس لئے لوگ جس حال میں ہیں ان کو اسی پر رہنے دیا جائے۔(الموطا بروایۃ محمد بن الحسن، ۱/۶، باب تاریخ تالیف الموطا طبع دار القلم، ۱۹۹۱ء، تحقیق، تقی الدین ندوی)

مختلف مسالک کے مابین مذہبی اختلافات ایک ناقابل تردید اور ناقابل تبدیل حقیقت ہے۔ قرآن نے اعتقادی اختلافات کے باب میں حق و باطل کو آخری درجے میں واضح کرنے کے بعد بھی مخالف مذہبی گروہوں کے خیالات زبردستی تبدیل کرنے مطالبہ نہیں کیا بلکہ یہ کہا ہے کہ یہ اختلاف ایسے ہی برقرار رہیں گے اور ان کا فیصلہ قیامت کے روز خدا کی بارگاہ میں ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے بھی فرمایا:

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ (الرعد: ٤٠)

تمہارا کام تو صرف پیغام پہنچانا ہے۔ حساب کتاب لینا ہمارا کام ہے۔

قبولیت اور برداشت

اب اس بات کا امکان موجود نہیں کہ دو مختلف مسالک اپنا اپنا قدیم یا مروج مسلک ترک کر دیں اور عبادات کے بارے میں احکام سے قطع نظر کرتے ہوئے عقائد و احکام کے کسی نئے پروگرام اور نظام پر اتفاق کر لیں یا پھر کسی ایک مذہب کے ماننے والے اپنے عقائد و نظریات اور نظام عبادات کو ترک کر کے دوسرے مذہب کو پوری طرح اختیار کر لیں۔ ہاں ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے کے بارے میں آگاہی کے ساتھ ایک دوسرے کو قبول یا برداشت کرنے کی بنیاد پر اتحاد کر لیا جائے۔

شائستگی اور خیر خواہی

رواداری اور مسلکی ہم آہنگی کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو اہلِ بدعت، اور کافر و گستاخ کہنے کی بجائے، اپنے نقطہ نظر کو مثبت انداز میں واضح کیا جائے، دوسرے کی اصلاح ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت شائستگی سے کی جائے، اسے اپنا رقیب اور مخالف سمجھنے کی ذہنیت سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

مقدسات کا احترام

مسلمانوں کے مابین محبت رسولؐ، محبتِ آل رسولؐ، احترام صحابہ کرامؓ اور احترام ازواج مطہراتؓ کی بنیاد پر قربت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ تمام مسالک کے علمائے کرام کو دوسرے مسلک کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

ہر مسلک کے اندر ایک مختصر طبقہ انتہا پسندانہ نظریات اور نفرتوں کا پرچار کرتا ہے۔ اس حوالے سے یہ امر نہایت اہم ہے کہ تاریخ اسلام کی ایسی شخصیات جو کسی بھی مکتبہ فکر کے نزدیک محترم ہوں ان کی توہین کی اجازت نہیں دی جاسکتی، نہ صرف صراحتاً توہین سے اجتناب کرنا ہوگا بلکہ اشارۃً و کنایۃً بھی ایسا کرنے سے پرہیز کرنا ہوگا۔

بدگمانی سے بچنا

قرآن پاک میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا گیا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا (الحجرات: ۱۲)

اے ایمان والو! بہت بدگمانی سے بچو یقین جانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور جاسوسی نہ کرو۔

مسلمانوں کے مابین بہت سارے اختلافات محض غلط فہمی یا ایک دوسرے سے بدگمانی کی بنیاد پر پیدا ہوتے ہیں اور اس کی وجہ سے اختلافات میں شدت پیدا ہوتی ہے اور فریقین کے درمیان اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی ہے، لیکن جب ایسے دو افراد یا گروہ باہم ملتے ہیں جن کے درمیان مخاصمت اور عداوت ہو تو باہمی تبادلۂ خیال کے

نتیجہ میں ایک دوسرے کے نقطۂ نظر سے واقفیت ہوتی ہے اور ایک دوسرے کی حسن نیت اور پاکیزہ مقصد کے بارے میں اطمینان حاصل ہوتا ہے تو آپس میں الفت و محبت اور وحدت و یگانگت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

دوسرے مسالک کے بارے میں رائے قائم کرنے کا اصول

مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم کے صاحبزادے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نے اپنے ایک خطاب میں، جو بعد میں ایک رسالے اختلاف رحمت ہے، فرقہ بندی حرام ہے کے عنوان سے طبع ہوا، مختلف فرقوں کے باہمی اختلافات کے حوالے سے کہا کہ مختلف مکاتبِ فکر کے اختلافات کو اس تناظر میں نہیں دیکھنا چاہیے کہ ایک کا موقف یقیناً غلط اور دوسرے کا یقیناً صحیح ہے، بلکہ اس حوالے سے دیکھنا چاہیے کہ جس پر ہمارا اطمینان ہے اسکے صحیح ہونے کا غالب امکان ہے اگر چہ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ وہ غلط ہو۔ اسی طرح دوسرے کا موقف ہمارے غالب گمان کے مطابق مبنی بر خطا ہے، اگر چہ احتمال اس کا بھی ہے کہ وہ صحیح ہو۔

کسی بھی وقوع پذیر ہونے والے واقعہ پر بلا تحقیق ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنا اور اسے فرقہ وارانہ رنگ دینا نفرت اور فساد کو پھیلانے کے مترادف ہے۔

توہین اور گستاخ کے فتاویٰ سے اجتناب

گستاخ رسولؐ کو سزا دینا اسلامی حکومت کا کام ہے کیونکہ کوئی گستاخ رسولؐ ہے یا نہیں ہے اس کا فیصلہ کرنے کا اختیار عوام کو نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اگر عوام کے ہاتھ میں دے دیا جائے تو وہ اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے شک کی بنیاد پر بھی لوگوں کو قتل کریں گے جس کی مثالیں موجود ہیں، قانون کو ہاتھ میں لینا جرم ہے اسلئے اس پر مقدمہ چلایا جائے۔

آپ دوسروں کے اعمال کے ذمہ دار نہیں

اللہ تعالیٰ نے یہ بات قرآن مجید میں بطور اصول واضح کر دی ہے کہ ہر شخص اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے۔ کسی شخص کے فعل کی ذمہ داری دوسرے پر نہیں ڈالی جا سکتی اور نہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے فعل کی ذمہ داری اپنے اوپر لے سکتا ہے۔ ہر فرد اپنے اعمال

اور اقوال کا ذمہ دار ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ○ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم:۳۸-۳۹)

یہ کہ کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور یہ کہ انسان کو (آخرت میں) وہی ملے گا جو اُس نے (دنیا میں) کمایا ہے۔

فرقہ وارانہ اختلاف کی مذمت اور باہمی محبت کی تلقین

اسلام میں مسلکی منافرت اور مذہبی انتہا پسندی کی ہرگز گنجائش نہیں۔

اللہ کا فرمان ہے:

اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ○ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (الحجر:۹۱-۹۲)

اور جنھوں نے قرآن کو ٹکڑوں میں بانٹ دیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پروردگار کی قسم، ہم ان سب کا ضرور مواخذہ کریں گے کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (الانعام:۱۵۹)

جن لوگوں نے اپنے مذہب کو بانٹ دیا اور فرقہ، فرقہ ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ اُن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور وہ انھیں جتا دے گا جو وہ کرتے رہتے ہیں۔

قرآن کی بہت سی آیتوں میں مسلمانوں کو اتحاد کا درس دیا گیا ہے اور مسلکی اختلاف کو مسلمانوں کی قوت میں کمزوری کا باعث بتایا گیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران:۱۰۳)

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ (الانفال:۴۶)

اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ) متفرق اور کمزور ہو کر (بزدل ہو جاؤ گے

اور تمہاری ہوا (یعنی قوت) اکھڑ جائے گی۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مسلمانوں کی باہمی محبت اور مودت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ہی جسم ہو، جس میں ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم بے خواب و بے آرام ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم، رقم ۲۵۸۶، باب تراحم المؤمنین و تعاطفهم/ البخاری رقم ۶۰۱۱، باب رحمة الناس و البهائم)

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم میر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

یونس بن عبدالاعلیٰؒ، امام شافعیؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے، کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے زیادہ عقل مند انسان کوئی نہیں دیکھا، میرا ان کے ساتھ ایک مرتبہ کسی مسئلہ پر مناظرہ ہو گیا، کچھ عرصہ کے بعد جب میری ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے کہ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم اس کے باوجود بھائی بھائی رہیں چاہے کہ ہمارا کسی ایک مسئلے میں بھی اتفاق نہ ہو۔ یعنی تمام مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف کے باوجود اخوت کے رشتے میں کوئی فرق نہ آئے۔

(فرقہ وارانہ ہم آہنگی برصغیر کی دینی روایت میں برداشت کا عنصر، مفتی محمد زاہد)

سماجی روابط معاشرے کی ضرورت ہیں

کسی مسئلے کے بارے میں اگر ہم سمجھتے ہیں کہ کسی گروہ سے ہمارا اختلاف ہے اور ہمارے پاس اس سلسلے میں منطقی دلائل موجود ہیں تو ہمیں اس مسلک یا گروپ سے ہی قطع تعلقی اختیار نہیں کر لینی چاہئے۔ اختلافات کے باوجود سماجی روابط رکھنے اور ملنے جلنے میں ہی معاشرے کی بہتری ہے۔

تمام مسالک ایک دوسرے کے بارے میں آگاہی حاصل کر کے ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کریں۔ دوسرے مسلک کو امت مسلمہ کا حصہ سمجھتے ہوئے بین المسالک اتحاد قائم کرنا دین اسلام میں مطلوب ہے۔ ارشاد ربانی ہے،

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران:۱۰۳)

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو۔

اس آیت میں واضح طور پر فرقہ پرستی اور مسلکی اختلاف کی نفی کی گئی ہے۔ یہ آیت

اخوت و اتحاد کی دعوت اور تفرقہ و انتشار کی مذمت، دونوں پہلوؤں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ظہور اسلام کا مقصد تمام نوع انسانی کو ایک مرکز پر لانا اور ایک دائمی وحدت کے رشتہ میں منسلک کرنا ہے۔ سرور کائناتؐ نے فرمایا مسلمانوں کی باہمی محبت اور مودت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک ہی جسم ہو، جس میں ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو سارا جسم بے خواب و بے آرام ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم، حدیث نمبر ۲۵۸۶)

باب دوئم:

فرقہ وارانہ انتہا پسندی میں فریق مخالف کے خلاف تشدد کیلئے مذہبی دلائل اور دینی اصطلاحات کا استعمال

فتنہ وفساد کا خاتمہ

عوام کے مصالح کا حصول اور مفاسد کا خاتمہ شرعی احکام کی علت ہے۔ ایسے امور جن کا تعلق براہ راست عوام اور معاشرہ سے ہے، ان پر رائے دینے سے (اگر چہ وہ درست ہی کیوں نہ ہو) فتنہ و فساد کا خطرہ ہو تو مصلحت عامہ کے تحت رائے دینے سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ اسلام میں فتنہ و فساد کو قتل سے بھی بڑا جرم قرار دیا گیا ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۲ میں ارشاد ہے:

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ، فتنہ پردازی تو قتل سے بھی بدتر ہے۔

اگر ہر گروہ دوسرے کو فتنہ قرار دے کر اس کے سدباب میں لگ جائے تو معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ گلی گلی محلے محلے قتل و غارت کا میدان گرم ہو جائے تو اس سے بڑھ کر فتنہ و فساد کیا ہوگا۔ شریعت کا تقاضا احترام آدمیت ہے۔ فتنہ و فساد کے خوف کی وجہ سے حق بات کہنے سے رک جانا ہی قرین مصلحت ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے مسلم ریاست میں حکمران کی اطاعت لازمی قرار دی ہے اگر چہ وہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمانوں کے مابین سفک الدماء اور قتل و قتال کو ایک بہت بڑا فتنہ قرار دیا گیا ہے۔ فتح الباری میں علامہ ابن حجر نے کتاب الفتن کے پہلے باب میں لکھا ہے کہ امام یا حکمران کی اطاعت کرنا ہی بہتر ہے، ایسے خروج کی بجائے جس میں خون کی ندیاں بہنے کا امکان ہو۔

تمام مسالک کے پاس اپنے عقائد پر مذہبی دلائل موجود ہیں۔ فقہائے کرام کے بقول کسی دوسرے مسلک کے اعمال کو جنہیں وہ اپنے عقائد اور اجتہاد کی بناء پر جائز قرار دیتے ہیں، برائی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انہیں بزور طاقت منع کرنا مسلمانوں کے مابین مزید انتشار کا سبب بنے گا۔

جنگ اور جہاد میں ظلم اور جارحیت کی نفی

جہاد کا ایک خاص تصور بعض مسلم متشددین نے پیش کیا ہے جو انیسویں صدی میں بعض جہادی تحریکوں سے وابستہ تھے، یا ان کے بانی تھے اور اپنی اسی سوچ کے تحت سی اسی اہداف کیلئے قوت کے استعمال کو جائز سمجھتے تھے۔ جہاد کے اس جدید سیاسی تصور نے اسلام کے بعض جنگی اصولوں کو پامال کیا اور مسلمانوں کو دہشتگردوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ علمائے کرام نے جہاد کے حقیقی تصور کو عوام کے سامنے پیش نہیں کیا جبکہ اسلام یا مسلمان دشمن طاقتوں نے اس کا خوب خوب فائدہ لیا۔

اسلام نے قتال کو ایک اعلیٰ مقصد کے تابع کرتے ہوئے اس میں جارحیت کے تمام عناصر کی نفی کی۔ جو لوگ جنگ میں شامل نہیں، غیر مسلح ہیں، ان پر اسلحہ اٹھانے سے منع کیا۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بستی آبادیوں کو جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ بنایا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اسلامی لشکر کو مشرکین کی طرف روانہ فرماتے تو یوں ہدایات دیتے:

> کسی بچے کو قتل نہ کرنا، کسی عورت کو قتل نہ کرنا، کسی بوڑھے کو قتل نہ کرنا، چشموں کو خشک و ویران نہ کرنا، جنگ میں حائل درختوں کے سوا کسی دوسرے درخت کو نہ کاٹنا، کسی انسان کا مثلہ نہ کرنا، کسی جانور کا مُثلہ نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا اور چوری و خیانت نہ کرنا۔ (بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹۹۰، رقم ۱۷۹۳۴)

نہی عن المنکر کی شرائط

علماء کرام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے چار شرائط کا ہونا ضروری قرار دیتے ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ منکر جس سے روکا گیا ہے اس کے منکر ہونے پر مسلمانوں کے مابین اتفاق ہو اور شریعت کے ٹھوس اور واضح الفاظ یا قطعی قواعد وضوابط سے اس کا 'منکر' ہونا ثابت ہو۔ حدیث میں مذکور لفظ 'منکر' یا برائی کا اطلاق صرف اس حرام کے اوپر ہی کیا جاتا ہے جس کو چھوڑنے کا شارع نے تاکیدی حکم دیا ہو، جب کہ اس حرام کا ارتکاب کرنے والا عذاب الٰہی کا مستحق بھی ٹھہرتا ہو، مگر ایسے امور جن کے بارے میں قدیم یا جدید علمائے اجتہاد کا اختلاف ہو، یعنی اس امر کے جائز ہونے اور ممنوع ہونے کے بارے میں علماء متفق نہ ہوں، تو

یہ اس 'منکر' کے دائرے میں داخل نہیں جس کو ہاتھ کی قوت سے روکنا واجب ہے۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا ایک قول ہے اگر تم کسی کو دیکھو کہ وہ ایسا عمل کر رہا ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے اور تمہاری رائے اس کے خلاف ہو تو اسے مت روکو۔

منکر کا ظاہری ارتکاب: دوسری شرط یہ ہے کہ منکر کا ارتکاب ظاہری ہو، خفیہ نہ ہو۔ اگر کوئی شخص اسے لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھتا ہے اور اپنے بند دروازوں کے اندر ایسا کرتا ہے تو کسی کے لئے اس کے بارے میں نگرانی کے آلات یا خفیہ تصویری کیمروں یا منکر کے ارتکاب کے شک میں اس کے گھر میں چھاپہ مارنا جائز نہیں۔ حدیث کے الفاظ واضح نشاندہی کرتے ہیں جو تم میں سے کسی منکر کو دیکھے وہ اسے بدل دے۔ یعنی روکنے کا حکم منکر کے دکھائی دینے اور مشاہدے میں آسکنے سے مشروط ہے۔

امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین میں الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کے تحت ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ حضرت عمرؓ دیوار پھلانگ کر ایک آدمی کے گھر میں چلے گئے اور اُس آدمی کو ناپسندیدہ حالت میں دیکھا تو اسے ڈانٹ ڈپٹ کی۔ آدمی نے کہا امیر المومنین! اگر میں نے ایک پہلو سے اللہ کی نافرمانی کی ہے، تو آپ نے تین پہلوؤں سے نافرمانی کی ہے۔ امیر المومنین نے پوچھا وہ کیسے؟ آدمی نے کہا اللہ نے فرمایا ہے

وَّلَا تَجَسَّسُوْا (الحجرات:۱۲)

تجسس نہ کرو

جب کہ آپ نے تجسس کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا (البقرہ:۱۸۹)

گھروں میں اُن کے دروازوں سے داخل ہو۔

جب کہ آپ دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا (النور:۲۷)

اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔

جب کہ آپ نے سلام نہیں کیا، آدمی کے اس جواب پر حضرت عمرؓ نے آدمی کو توبہ کرنے کی شرط پر چھوڑ دیا۔ (احیاعلوم الدین، ج ۷، ص ۱۲۱۸، طبع الشعب، القاہرہ)

منکر کو روکنے کی طاقت: تیسری شرط یہ ہے کہ منکر کو روکنے کے لئے طاقت کے استعمال کے لئے ولایہ یعنی قانونی اختیار کی موجودگی ضروری ہے اور صاحب ولایہ صرف ان لوگوں کے خلاف طاقت کا استعمال کرسکتا ہے جن کے اوپر اسے ولایہ حاصل ہے۔ یہ ولایہ یا تو باہمی تعلق کی بناء پر قائم ہوتی ہے جیسے باپ کی اپنی اولاد پر یا کفیل اور وکیل کی ولایہ عقد کفالت و وکالت میں اپنے نمائندے کے لئے ہوتی ہے۔ جبکہ شریعت نے ولایہ کا اختیار حکومت کے سپرد کیا ہے جو یہ کام مختلف عدالتوں اور اداروں کے سپرد کرتی ہے۔ پس دین کا علم و فہم رکھنے والا شخص کسی برے کام کو برا تو کہہ سکتا ہے مگر اس برائی کو بغیر ولایہ کے جبراً نہیں روک سکتا۔

فتنہ وفساد کا خدشہ: چوتھی شرط یہ ہے کہ کسی بڑی برائی کے پیدا ہونے کا خدشہ نہ ہو۔ گویا منکر کو طاقت سے روکنے یا اسے ختم کرنے کے نتیجے میں کوئی بڑی برائی پیدا ہو جانے کا ڈر نہ ہو، کہ یہ فعل ایسے فساد کا باعث بن جائے جس میں بے گناہوں کا خون بہہ جائے، حرمتیں پامال کی جائیں، مال و دولت لوٹ لی جائے اور آخری نتیجہ یہ نکلے کہ برائی اپنے قدم مزید مضبوط کر لے اور ظالم و متکبر زمین میں ظلم وفساد کا بازار گرم کر دیں۔

باب سوئم:

فرقہ وارانہ انتہا پسندی اور تشدد کے داخلی عوامل

(عصبیت جاہلیہ، کلامی اختلاف، مسلکی بنیادوں پر اداروں کا قیام، معاشی مفادات، اکابر پرستی اور گروہی مفادات، ردعمل اور غلبے کی نفسیات، سماجی طبقات اور تشخص کے مسائل، فرقہ وارانہ تشدد کے ترغیبی ذرائع)

عصبیت جاہلیہ کی مذمت

قرآن وسنت کے مطابق ایک عام مسلمان غیر مسلموں کے حوالے سے بھی تعصب ونفرت کا حامل وداعی نہیں ہوسکتا ہے، اسلام واضح طور ایک غیر مسلم کے مقابلے میں مسلمان کی ناحق حمایت کی ممانعت کرتا ہے۔قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ:۸)

اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کرو، یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَّاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (الشوریٰ:۱۵)

اور کہو! میں اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمھارے درمیان انصاف کروں ، اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمھارا بھی؛ ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمھارے لیے تمھارے اعمال۔

دین کا صحیح فہم رکھنے والا عالم متعصب نہیں ہوسکتا۔مسلم اور دیگر متعدد محدثین کی روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

جو شخص کسی اندھے جھنڈے تلے لڑا؛ اپنی کسی عصبیت کے لیے غصے میں آیا؛ اپنی

عصبیت کیلیے لوگوں کو دعوت دی ؛ اپنی عصبیت کی مدد کی؛ پھر قتل کر دیا گیا ، اسکی موت جاہلیت کی موت ہے(مسلم: رقم ۱۸۴۹، نسائی: رقم ۱۳۱۴، احمد: رقم ۱۳۹۷ وغیرہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے عصبیت کی طرف دعوت دی ، وہ ہم میں سے نہیں ، جو عصبیت پر لڑا ، وہ ہم میں سے نہیں ، جو عصبیت پر مرا ، وہ ہم میں سے نہیں ۔ (ابو داود)

اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سچائی کے اظہار اور حق و انصاف کے معاملے میں غیر مسلموں کے حوالے سے بھی کبھی تعصب و عناد کا شکار نہیں ہوئے ۔ روایات میں آیا ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسلمان اور یہودی کا مقدمہ آیا، آپ نے دونوں کا موقف سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔

مطلق عصبیت مذموم نہیں ہے۔ یہ ایک تاریخی اور فطری عمل ہے اور یہ ہمیشہ رہے گی ۔ آج کی عصبیت دانائی پر مبنی ہے جو مفادات کے تابع ہے، یہ عصبیت جاہلیہ سے بھی بدترین شکل ہے جس کا خاتمہ ضروری ہے۔ بے تعصبی اور رواداری کے اسلامی تعلیم اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے ۔ سب اہلِ اسلام کو یہی رویہ اپنانے کی دعوت ہے، بالخصوص ایک عالم کو تو لازماً بے تعصب اور روادار ہونا چاہیے کہ علم وعرفان جاہلیت اور تعصب کی ضد ہے۔ عصبیت سے نکلنے کے لیے مخالف مسلک کے اکابر کی عالمانہ تحریرات و بیانات اور انکے علمی کام سے بھی استفادہ کرنا چاہیے۔ دوسرے کے مطالعے، ان کی علمیت کے اعتراف اور اپنوں کی خطاؤں پر نگاہ ، رواداری وہم آہنگی کے فروغ اور انتہا پسندی و یک رخی سوچ کے خاتمے میں بہت مددگار ہوگی۔

معروف مؤرخ ابن خلدون کے نزدیک عصبیت ایک فطری عمل ہے کیونکہ ہر ایک فرد آفت و مصیبت کے وقت اپنے گروہ یا فرقہ کی جانب رخ کرتا ہے۔ اگر مختلف مسالک اپنی پہچان کے لئے اپنے اپنے فرقہ پر قائم رہتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ۔ اسلام میں عصبیت جاہلیہ کی مذمت کی گئی ہے جس میں اپنے نقطہ نظر کو ثابت کرنے کے لئے غلط استدلال دیا جائے اور دوسروں کی خوبیوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔

تعصب سے انکار ممکن نہیں مگر اس کی حدود مقرر کرنا ہم سب پر لازم ہے۔ تعصب سے معاشرتی عدل یا عدل اجتماعی متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ مثلاً مسلکی یا نسلی تعصب کی

بناء پر اہل کو نااہل قرار دینا اور نااہل کو اہل قرار دینا، یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ اسی طرح مذہبی رسوم اور عبادات کی ادائیگی میں اگر کسی دوسرے انسان کی آزادی اور آرام میں خلل پیدا ہو رہا ہو تو کیا ایسی عبادت جائز ہے۔

اپنی جماعت اور گروہ کی حمایت میں انصاف کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے! اس بات پر اصرار کرنا کہ حق میری جماعت اور گروہ میں محصور ہے، باقی سب کچھ باطل اور قابلِ نفرت ہے؛ ظلم و زیادتی پر بھی اپنے فرقہ سے متعلق لوگوں کی اعانت کرنا اور دوسرے فرقہ کے لوگوں کے بارے میں متعصب رویہ اختیار کرنا عصبیت جاہلیہ کی صورت ہے۔

علمی و فکری جمود کو ختم کرنے کیلئے مدارس کے فاضلین کو محض اپنے اپنے اکابر کے فقہی و کلامی فتوے ہی نہ پڑھائے جائیں بلکہ انھیں اپنے اکابر کے ساتھ ساتھ دیگر مسالک کے اکابر کے اسی نوع کے فتوؤں کا تقابلی و تحقیقی مطالعہ کرایا جائے، اور اس پر آزادانہ رائے رکھنے کا حق دیا جائے۔

دوسرے کے عقیدے و نظریے کا احترام کرنے اور اختلافات کو نزاعات میں بدلنے سے بچانے کی باتیں بہت ہوتی ہیں، لیکن عمل اور رویوں میں اس کا ظہور بہت کم ہوتا ہے۔ قول و فعل میں تضاد اہل علم کے ہرگز شایانِ شان نہیں۔

قومی مفاد کو ترجیح دینا

معاشرے کے اجتماعی مفاد کو نظر انداز کر کے گروہی، مکتبی یا انفرادی پسند کو ترجیح دینا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اگرچہ سوسائٹی کے ہر طبقہ میں یہ چیز عام ہے، لیکن اہل مذہب کی ذمہ داریاں اس حوالے سے سب سے زیادہ ہیں کیونکہ وہ اس دین کی تبلیغ کرتے ہیں جو انسانی شخصیت و کردار کو رذائل اخلاق سے بچنے کی خصوصیت سے تلقین کرتا ہے۔ قومیت یا قومی ریاست یا قومی حمیت اسی صورت قائم رہ سکتی ہے جب ہم اپنے قومی مفاد کو مسلکی مفاد پر ترجیح دیں گے۔

آدابِ اختلاف اور تنوع

اختلاف اور تنوع کائنات کا ایک حسن ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور نشانیوں

میں سے ہے۔۔فقہی مسالک کے بعض مسائل میں اختلاف کے علمی اسباب ہیں اوراللہ جل شانہ کی حکمت بالغہ اس مین کارفرما ہے جس میں سے ایک یہ اس کی اپنے بندوں پر رحمت اورمہربانی ہے(یعنی یہ اختلاف اللہ تبارک وتعالیٰ کی اپنے بندوں پر مہربانی کے قبیل سے ہے)اورنصوص سے احکام کے استنباط کے دائرہ کووسیع کرنا ہے۔اس کے علاوہ یہ ایک نعمت ہے اورفقہی دولت وذخیرہ ہے جس کے ذریعہ امت اسلامیہ اپنے دین کے تعلق سے وسعت اورفراخی میں ہے کہ اسے ایک ہی شرعی حل پر منحصر نہیں رہنا ہے کہ اس سے دوسرے کی جانب جایا ہی نہ جاسکے۔ بلکہ امت پر جب بھی کسی امام کے مسلک میں کوئی تنگی اوردشواری ہوتی ہے خواہ وہ کسی قبیل سے ہوتو دوسرے امام کے مسلک میں نرمی اورگنجاش اورسہولت ہوتی ہے۔

مسالک پر پابندی غلط اقدام ہے

معاشرہ میں تنوع بہت ضروری ہے۔ مذہبی رسوم مذہبی شناخت کا ایک ذریعہ ہے،فرقہ وارانہ کشیدگی کوختم کرنے کیلئے مسالک پر پابندی کی سوچ غیرحقیقی بلکہ انتہائی غلط اقدام ہے،مساوات اور مذہبی آزادی ہرایک کا بنیادی حق ہے۔کسی بھی کمیونٹی پر دباؤ ڈال کرخاموش یا پابندنہیں کیا جا سکتا،ردعمل کے طور پر وہ مزید ابھریں گے۔ ہرمسلک کے علماء اوراکابرین اپنے پیروکاروں کوسمجھائیں کہ وہ دلیل سے بات کریں اورمناظرہ سے بچیں۔ مکالمہ کی فضا پیدا کریں،اتفاق و اتحاد کیلئے اگر علماء اپنے پیروکاروں کی پرواہ نہ کریں اور مخلصانہ طور پرکام کریں تو یہ ہدف حاصل کیا جا سکتا ہے۔

دو مذہب حتیٰ کہ دو آدمی بھی سو فیصدی باتوں میں متفق نہیں ہوسکتے۔ اچھی ہمسائیگی کیلئے اگر ہرشخص اپنی کامل آزادی برقراررکھتے ہوئے دوسرے کی مساوی آزادی کا احترام کرے اوراس پر اختلافی امور میں طعن وتشنیع نہ کرے تو اختلاف رائے کے باوجود دونوں دوست رہ سکتے ہیں۔ دومذہبوں اور دوفرقوں پر بھی یہی بات صادق آسکتی ہے۔

دوسروں سے اختلاف ادب وتہذیب کے دائرے میں اورعلمی انداز سے ہو۔ علمی بحثیں ان لوگوں کی طرف سے ہوں جو شائستہ اورسنجیدہ رویے کے حامل ہوں اورافہام وتفہیم کے انداز مین بات کریں، نہ کہ دوسروں کو نیچا دکھانے اوراپنے فرقے کے لوگوں میں

دوسروں کے خلاف نفرت و عداوت پیدا کرنے اور اپنے فرقے اور مسلک میں اپنی مقبولیت بڑھانے کے لیے۔

مذہبی اختلاف اس دنیا کی ایک نا قابل تردید اور نا قابل تبدیل حقیقت ہے۔ اس میں مطابقت کے ذریعے اختلاف کے خاتمے کا مطالبہ غیر حقیقی اور غیر اخلاقی ہے، البتہ دعوت اور مکالمہ کے ذریعے سے ایک دوسرے کے مذہبی خیالات ونظریات کو تبدیل کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ قرآن نے اعتقادی اختلافات کے باب میں حق و باطل کو آخری درجے میں واضح کرنے کے بعد بھی مخالف مذہبی گروہوں سے مفاہمت کا مطالبہ نہیں کیا، بلکہ یہ کہا ہے کہ یہ اختلاف ایسے ہی برقرار رہیں گے اور ان کا فیصلہ قیامت کے روز خدا کی بارگاہ میں ہی ہوگا۔ دنیا میں بقائے باہم اور اخلاقی طرز زندگی کے لیے اختلاف کو رواداری کے ساتھ قبول کرنا اور ایک دوسرے کے مذہبی جذبات واحساسات کو ٹھیس پہنچانے سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

چند آداب اختلاف

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اپنی کتاب فیصلہ ہفت مسئلہ میں اختلافات کی صورت میں طریقہ عمل کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ؛

۱: اختلافی مسائل میں ہر فریق کے پاس دلائل شرعیہ ہیں اگر چہ ان دلائل کی قوت و ضعف میں فرق ہو جیسا کہ اکثر مسائل اختلافیہ فرعیہ میں ہوتا ہے، پس خواص کو تو چاہئے کہ جو ان کو تحقیق سے معلوم ہوا ہے اس پر عمل رکھیں۔

۲: دوسرے فریق کے ساتھ بغض و کینہ نہ رکھیں، نہ نفرت و تحقیر کی نگاہ سے دیکھیں، نہ تفریق و تضلیل کریں بلکہ اس اختلاف کو مثل اختلاف حنفی و شافعی سمجھیں۔

۳: باہم ملاقات، مکاتبت، سلام، موافقت و محبت کی رسوم جاری رکھیں یعنی سماجی تعلقات قائم رکھیں۔

۴: تردید و مباحثہ خصوصاً بازاریوں کی طرح گفتگو سے اجتناب کریں کیونکہ یہ منصب اہل علم کے خلاف ہے۔

۵: ایسے مسائل میں نہ کوئی فتویٰ لکھیں اور نہ دستخط کریں کہ فضول ہے۔ جیسا کہ میلاد

النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فتویٰ

۶: ہر ایک عمل میں ایک دوسرے کی رعایت کریں۔ یعنی جب دوسرے مسلک والوں کے پاس جائیں تو ان کی طرح اعمال کریں۔

۷: عوام نے جو غلو اور زیادتیاں کر لی ہیں ان کو نرمی سے منع کریں۔

۸: منع کرنا ان لوگوں کا مفید ہو گا جو اس عمل کے جواز کے قائل ہیں۔ اور جو اس عمل کے عدم جواز کے قائل ہیں ان کا خاموش رہنا بہتر ہے۔ (مسلکی منافرت کے خاتمہ کیلئے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کون سی بات کس نے کرنی ہے اور کس کی بات زیادہ اثر رکھے گی۔ اور کون یہ بات کرے گا تو معاملات اور خراب ہوں گے)

۹: فتنہ سے بچیں اور کسی جگہ کے رسم و رواج اور عادات سے اگر آپ موافقت نہیں رکھتے تو ان کی مخالفت بھی نہ کریں۔

۱۰: دونوں مکاتب فکر یا فریقین ایک دوسرے کے نقطہ نظر کی تاویل کر لیا کریں یعنی اچھی توجیہ کریں۔

۱۱: عوام کو چاہئے کہ جس عالم یا دیندار آدمی کو محقق سمجھیں اس کی تحقیق پر عمل کریں اور دوسرے فریق کے لوگوں سے تعرض نہ کریں۔ خصوصا دوسرے مسالک کے علماء کی شان میں گستاخی کرنا چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق ہے۔

۱۲: غیبت و حسد سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، ان امور سے پرہیز کریں اور تعصب اور عداوت سے بچیں۔

۱۳: ایسے مضامین کی کتابوں اور رسائل کے مطالعہ سے بچیں جن میں اختلافی مسائل بیان ہوں، کیونکہ یہ کام علماء کا ہے۔

۱۴: مسلکی منافرت کے خاتمہ کے لئے اختلافی مسائل پر مباحثہ، قیل و قال نہ کرنا اور ایک دوسرے کو وہابی و بدعتی نہ کہنا، اور عوام کو جھگڑوں اور غلو سے منع کرنا علمائے کرام کی ذمہ داری ہے۔

دوسرے مسالک کے بارے میں حتمی رائے سے گریز

ہم اپنے عقیدے پر حتمی رہیں مگر کسی دوسرے کے بارے میں حتمی رائے دینے

سے گریز کریں۔ تنقید کسی بھی مسلک کے اندر سے ہو، باہر سے نہ کی جائے۔ خود تنقیدی کی روایت کو (بمقابلہ الزام تراشی، لیبلنگ) فروغ دیا جانا چاہیے۔

اسلامی تناظر میں کسی بھی فکر کے استناد اور قبولیت کا معیار مسلمانوں کی مجموعی علمی روایت ہے۔ مختلف فکری حلقے اپنے اپنے زاویے سے یہ تصور رکھ سکتے ہیں کہ انھی کے اکابر کی پیش کردہ تعبیر درست ترین اور حتمی ہے، تاہم اس یقین واذعان کا وزن آخری تجزیے میں مجموعی علمی روایت ہی طے کرتی ہے۔ حتمی فیصلے کا کام فکری روایت کے جدلیاتی عمل کے سپرد کر دینا چاہیے۔

ہر شخصیت ارتقائی مراحل سے گزرتے ہوئے اہمیت اختیار کرتی ہے۔ اس طرح ان کے افکار بھی بتدریج پختہ تر ہوتے جاتے ہیں۔ اسلئے ان کے افکار سے استفادہ کرنے کے لیے اس ارتقائی سفر کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے ابتدائی افکار بعد کے افکار سے متضاد ہوں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان کے مثبت افکار کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ اسی طرح اگر کسی عالم یا مصنف نے اپنی کسی بات سے رجوع کر لیا ہے اور ایک نیا موقف یا وضاحت پیش کی ہے تو اختلاف ختم کرنے کے لئے اس کے پرانے قول کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔

معاشرے میں محبت اور امن کا فروغ

معاشرے میں قیام امن کے لئے اسلام نے غیر مسلموں کو بھی دعوت دی قرآن مجید میں ہے

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (آل عمران: ٦٤)

آپ فرما دیں اے اہل کتاب تم اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے۔

اصول توحید کی بناء پر اسلام غیر اسلامی الہامی مذاہب کو دعوت اتحاد دیتا ہے۔ مسلمان جو امت محمدی کی لازوال نسبت اور باہمی رشتہ کی وجہ سے ایک دوسرے سے منسلک ہیں، معاشرہ میں امن امان کے قیام کیلئے ان کو اتحاد کی دعوت دینا بدرجہ اولی احسن عمل ہے۔

علمائے کرام کسی مسلک کی بجائے اسلام کے عمومی پیغام کی ترویج کریں اور معاشرہ کی اصلاح کریں۔ وطن سے محبت اور انسانی ہمدردی کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔

علمائے کرام کو جمعہ یا وعظ سے پہلے خود یہ سوچنا چاہیے کہ وہ عوام میں ایسی گفتگو سے پرہیز کریں جس سے اشتعال پیدا ہونے کا امکان ہو۔ عالم دین کا کام ہے کہ محبت کو فروغ دے، نہ کہ نفرت کو فروغ دینے کا سبب بنے۔

علمی مباحث کو علماء تک محدود رکھا جائے

اہل علم جب کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں تو اس کا دائرہ علمی ہوتا ہے۔ اس کا سماج سے تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہی علمی دائرہ سے باہر نکلتا ہے۔ لیکن جب ہم موجودہ فرقہ وارانہ تشدد کی بات کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ علمی دائرہ کار عوام کے ہاتھوں میں آ گیا ہے۔ اہل علم کو اختلافی موضوعات کو عوام میں لانے سے گریز کرنا چاہیے۔

پاکستان میں علماء کے مذہبی و دینی کام اختلافی موضوعات اور مسلکی تحفظ کے دائرہ میں رہتے ہیں۔ جس کی وجہ علمائے کرام کی فکری اور ذہنی صلاحیت محدود ہو چکی ہیں۔ اس وقت تک جتنی کتابیں مسلکی مباحث پر سامنے آئی ہیں یا آ رہی ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ بدلتے ہوئے عالمی حالات اور فکری چیلنجز پر کتابیں اور تحقیق نہ ہونے کے برابر ہے۔

فرقہ پرست عناصر کی حوصلہ شکنی

علماء، دانشوروں، سیاسی و سماجی رہنما اور عوام الناس کی جانب سے فرقہ پرستوں کی فکری، اخلاقی اور عملی سرپرستی اور تعاون مسلکی منافرت کے پھیلنے کا باعث بنتا ہے اور مسلکی اختلاف کو سماجی قبولیت حاصل ہوتی ہے۔ جس پر تمام اہل فکر و نظر کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔

ہر ایک مسلک اپنے خلاف ہونے والے اعتراضات کو خود دور کرے جب دوسرے مسلک کے لوگ اس پر فتویٰ لگائیں گے تو ایک ردعمل کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اس مسلک کے لوگ اپنے دفاع کے لئے پھر ایک عام فرد کی حمایت میں بھی کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تعلیم وتربیت اور مدارس کا کردار

عصری اور دینی تعلیم کا موجودہ نظام اور مدارس کا ماحول بعض اوقات فرقہ وارانہ ماحول کو پروان چڑھاتا ہے۔ اس کی اصلاح کیے بغیر کوئی حقیقی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ ضروری ہے کہ دینی تعلیم کا نظام مخصوص فکری یا کلامی مسالک کے بجائے مجموعی اسلامی روایت اور اس کے متنوع فکری مظاہر کو تعلیم وتدریس اور ذہن سازی کی بنیاد بنائے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم کام یہ ہے کہ دینی مدارس مدرسہ فرنگی محل اور بانی درس نظامی ملا نظام الدین سہالویؒ کے طرز پر بین المسالک مدارس کا احیاء کریں تو بہت جلد معاشرے میں مثبت تبدیلی کا امکان ہے۔

مدارس کے نصاب کو دور حاضر سے ہم آہنگ کرنا، اساتذہ کی تعیناتی اور تربیتی کورسز کے ساتھ ساتھ جمعہ کے خطبات کے عنوانات کا مشترکہ تعین بین المسالک ہم آہنگی میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

مذہبی طبقات کے ذہین عناصر کو جدید فکری اور معاشرتی چیلنجز کی طرف متوجہ کرنا فرقہ وارانہ ماحول میں تبدیلی کا ایک بہت موثر ذریعہ بن سکتا ہے۔ مذہبی ماحول میں جن مسائل وموضوعات کو اہمیت اور ترجیح کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، ذہین عناصر بھی عموماً اس کا اثر قبول کرتے اور انھی ترجیحات کو اپنی ذہنی وفکری کاوشوں کا میدان بنا لیتے ہیں۔ اگر ان کی ذہنی توجہ کے دائرے بدل دیے جائیں اور انھیں امت کے حقیقی اور زندہ مسائل کی طرف متوجہ کر لیا جائے تو اس سے خود بخود ماحول میں ایک مثبت تبدیلی پیدا ہونا شروع ہو جائے گی۔

باب چہارم:

فرقہ وارانہ انتہا پسندی میں عالمی حالات اور بیرونی عوامل

(بیرونی سازشیں، عالم اسلام کے اندر فرقہ وارانہ تقسیم، خطے میں عالمی طاقتوں کے مفادات اور عزائم)

خود احتسابی

ہم حقائق کے برعکس سازشی نظریے (Conspiracy Theory) پر یقین رکھتے ہیں اور ہمیشہ دوسروں کو اپنے مسائل کا ذمہ دار گردانتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَہٗ ۚ وَ مَا لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ وَّالٍ (الرعد: ۱۱)

بیشک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا؛ جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدل ڈالے اور جب اللہ کسی قوم کو بری دن دکھانے کا ارادہ فرماتا ہے تو پھر اُسے کوئی ٹال نہیں سکتا اور اللہ کے سوا ایسوں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوسکتا۔

مسلکی منافرت کا منبع جہالت اور غلو کے ذہنی و نفسی رویے ہیں، اور ان ذہنی رویوں کو معاشرتی سوچ کا حصہ بنانے کا کردار مذہبی تعبیرات ادا کرتی ہیں۔ بیرونی ہاتھ اور سیاسی عوامل صرف اس کو بڑھانے اور کوئی مخصوص رخ دینے کے ذمہ دار ٹھہرائے جا سکتے ہیں اور یقیناً ہیں بھی مگر یہ خارجی عوامل اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کسی معاشرے میں ذہنی و نفسی سطح پر اور مذہبی تعبیرات کے دائرے میں ان کے لیے زمین تیار نہ کر دی گئی ہو۔

خارجہ پالیسی کو بہتر بنانا

عالمی حالات کا لازمی پاکستان پر اثر پڑتا ہے، اسکے لئے ہمیں اندرونی طور پر مضبوط ہونا پڑے گا اور اپنے قومی مفادات کا تعین کرنا ہوگا۔

اس وقت تمام اسلامی ممالک اپنے اپنے مفادات کو مدنظر رکھ کر پالیسیاں بناتے

ہیں۔ ہمارا ملک ایسا ہے کہ جس نے اپنے خارجہ امور کو اسلامی برادرانہ تعلقات کے تابع کر رکھا ہے۔ ہمیں اسلامی ممالک سے تعلقات میں برادرانہ تعلقات کے ساتھ ساتھ سیاسی مفادات کو فوقیت دینی ہوگی۔

اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ بعض ممالک دوسرے ملک کے اندر اپنے اثر و رسوخ کو قائم کرنے کیلئے کسی نہ کسی گروہ کی حمایت حاصل کرتا ہے اور یہ ان کی خارجہ پالیسی کا حصہ سمجھا جاتا ہے، مگر جب دوسری جانب ریاست مضبوط ہو اور اپنی رٹ قائم کرے تو ایسی مداخلت کو روکنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس ضمن میں ریاست کا کردار اہم ہے۔

تمام دنیا کے ذمہ دار علماء پر مشتمل ایک مشترکہ عالمی فورم قائم کیا جائے جو سعودی عرب اور ایران کو ایک میز پر لا سکے۔ اس کیساتھ یہ فورم عالمی تنازعات بالخصوص مشرق وسطیٰ میں جاری تصادم کے ممکنہ حل میں مدد کر سکتا ہے۔

وطن عزیز پاکستان کے مسلمانوں میں مجموعی طور پر یہ رجحان دیکھا گیا ہے کہ وہ دو برادر اسلامی ممالک کی باہمی چپقلش کی وجہ سے اپنے مخالف فریق اور مسلک کو نقصان دینے کی فکر میں اپنے ہی ملک کے امن کو تاراج کر دیتے ہیں، لہٰذا اگر یہ توانائیاں ہم یہاں اپنے ملک کی تعمیر و ترقی میں صرف کریں تو بہت فائدہ ہوگا۔

باب پنجم:

پاکستان میں مسلکی ہم آہنگی کی راہ میں رکاوٹیں

عوام اور مسلکی اختلاف

لوگوں کی اکثریت مسلکی اختلاف اور منافرت سے تنگ ہے اور اس سے نجات چاہتی ہے، لیکن چند ایک اقلیتی گروہوں کے بلند آہنگ ہونے جبکہ سنجیدہ وفہمیدہ طبقات کے غیر فعال ہونے کی وجہ سے اکثریت، اقلیت کے ہاتھوں یرغمال بنی ہوئی ہے۔ مصلحت یا مفاد کی خاطر یا کسی خوف کے تحت فرقہ وارانہ گروہ بندی کا حصہ نہیں بننا چاہیے۔ تمام مسالک کے علمائے کرام یک آواز ہوکر اتفاق و اتحاد اور بین المسالک ہم آہنگی کی بات کریں۔

ہر ایک مسلک اپنے انتہا پسندانہ رویوں پر غور کرے اور دوسرے مسالک سے محاذ آرائی سے حتی الامکان گریز کرے۔ اپنے مسلک کی پہچان غیر معروف اور متشدد افراد کے ہاتھوں میں نہ دیں۔

علمائے کرام میں بتدریج یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ ہمارے مسلکی مناظروں اور ایک دوسرے کے خلاف فتوؤں کی وجہ سے مسلکی منافرت اور فرقہ وارانہ تشدد میں اضافہ ہو رہا ہے اور نوجوان طلباء ان کے حلقۂ اثر سے باہر نکلتے جا رہے ہیں۔ لال مسجد واقعہ کے بعد جب طلباء اپنے ہی اکابر علماء کے خلاف ہو گئے تو دیو بند مکتب فکر کے علمائے کرام نے ماضی کی پالیسیوں پر نظر ثانی کرتے ہوئے فرقہ وارانہ مناظروں سے رجوع کر لیا اور مسلکی اختلاف کے خاتمہ کے لئے میدان عمل میں آ گئے۔ اسی طرح دیگر مکاتب فکر میں بھی ایسی مثالیں موجود ہیں، اس لئے علمائے کرام کو اب اپنے بچوں کو سمجھانا ہو گا اور نفرت کی تعلیم کی بجائے محبت اور امن کا درس دینا ہو گا۔ اور انہیں قتل و غارت کے راستے پر چلنے سے روکنا ہو گا۔

عزمِ مصمم اور بلندی کردار علمائے حق کا خاصہ ہے۔ علماء نے ہر دور میں عزیمت کے ساتھ حق کے لئے آواز بلند کی ہے۔ اتحادِ امت کے قیام کے لئے اس سے پہلے بھی کئی جید علمائے کرام پر طرح طرح کے فتوے لگے مگر انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی اور اپنے کام میں مگن رہے۔ تاریخ انہیں اچھے الفاظ میں یاد کرتی ہے۔ امت کی بہتری کے لئے علمائے کرام کو جرأت و بہادری کے ساتھ ایسی مشکلات کا سامنا کرنا چاہئے۔

دین اسلام فرد اور خدا کے درمیان قریب ترین تعلقات قائم کرنے کے لئے آیا۔ ہمیں آگے بڑھ کر پوری انسانیت کے لئے کام کرنا ہوگا۔ دنیا میں جب انسانی حقوق کی بات ہو رہی ہو تو ہمیں اسلامی تعلیمات کو بطور انسانی حقوق پیش کرنا چاہیے۔ اسلام کے حقیقی پیغام آزادیٔ دین اور آزادیٔ فکر کی راہ ہموار کریں۔ تاکہ لوگ غور و فکر اور تدبر سے اسلام کی جانب مائل ہو سکیں۔

بین المسالک ہم آہنگی کے فروغ کا لائحہ عمل وتجاویز/ترویجی حکمت عملی

علمائے کرام اور مذہبی سکالرز کی ذمہ داریاں

۱: اتحاد واتفاق کے بیانیہ کو خطبات جمعہ، تقاریر اور درس وتدریس کا حصہ بنائیں۔

۲: بحیثیت وکیل امن اس جیسے دستاویز کو فروغ دینے کے لئے بذات خود بین المسالک مختلف سرگرمیوں کا انعقاد کر سکتے ہیں۔

۳: شدت پسند عناصر کی جانب سے بطور دلیل استعمال کی جانے والے مذہبی اصطلاحات اور فتاویٰ کی عصری تناظر میں تعبیر نو کی کوشش کریں۔

۴: نہی عن المنکر، فتنہ اور جہاد کے احکام، اصطلاحات کی تشریح کے لئے تمام مسالک کے علما کی جانب سے متفقہ تحقیقی وتوضیحی مواد کی تیاری۔

۵: اہم مسائل پر کسی ایک عالم سے فتویٰ لینے کی بجائے تمام مسالک کے مذہبی سکالرز مل بیٹھ کر اعلامیہ جاری کریں، شورائی تحقیق اجتہاد جس میں کسی مسلک کی چھاپ نہ ہو اس مسئلہ کا حل ہے۔

۶: مختلف مسالک کے مابین باہمی غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوئی عملی صورت بنائیں جس میں دوسروں کے دلائل اور موقف سے براہ راست آگاہی ہو۔

۷: عقیدے اور کلامی مباحث پر مناظروں سے حتی الامکان اجتناب کریں اور مختلف مسالک کے طلبہ اور علما کے لیے ایک دوسرے کے یہاں آنے جانے کے مواقع پیدا کیے جائیں۔

۸: ہر ایک مسلک اپنے نمائندہ علماء پر مشتمل ایک متفقہ کونسل بنائے جو اس مسلک کے موقف کی وضاحت کرے اور اختلافات دور کرنے میں معاون ثابت ہو۔ جو لٹریچر کسی مسلک کی معتبر شخصیات کی جانب سے اجتماعی حیثیت سے سامنے آیا ہو اس کا اعتبار کیا جائے، کسی مسلک کے کسی ایک عالم کی فرقہ واریت پر مبنی انفرادی رائے یا قول کا اعتبار نہ کیا جائے۔

۹: منبر و محراب سے اخلاقیات (رواداری، احترام انسانیت، قانون کا احترام، انسانی و شہری حقوق و عمومی اخلاقیات) کی تعلیم و تربیت کو لازمی بنائیں۔ حفاظت دین کی بجائے اشاعت دین کی حکمت علمی اپنائیں۔

۱۰: عوامی سطح پر بین المسالک باہمی رواداری کی مثالوں کو فروغ دیں۔ اکابرین علماء بغیر کسی خوف کے ہم آہنگی کے فروغ کے لیے کام کریں اور انتشار پھیلانے والوں کی گرفت کریں۔ مختلف مسالک کے علمائے کرام دوسرے مسالک کے مدرسے میں جا کر گفتگو کریں۔

۱۱: تمام مسالک کے علماء پر مشتمل ایک کونسل قائم کی جائے جو خطبات جمعہ کے لئے مشترکہ موضوعات تیار کرے۔

۱۲: بین المسالک سماجی تعلقات کو فروغ دینے کے لئے کئی طرح کی سرگرمیاں متفقہ طور پر ترتیب دیں جیسے قرات، نعت خوانی اور تقاریر کے مقابلے، کھیلوں کے مقابلے وغیرہ۔

۱۳: علمائے کرام کو ان اسباب کا بھی جائزہ لینا ہوگا جو تکفیر کا باعث بنتے ہیں۔ اور تمام مسالک کے علماء کو یہ طے کرنا ہوگا کہ وہ کسی بھی اختلافی موضوع پر غیر محتاط بیانات سے گریز کریں۔ بالخصوص شان الوہیت، شان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم، عظمت صحابہؓ و اہل بیتؓ کے متعلق غیر محتاط الفاظ و بیانات سے پرہیز کریں۔

عوام الناس اور رفاہی تنظیموں کا کردار

۱: امن کے لئے کام کرنے والے ادارے بین المسالک ہم آہنگی کے بیانیے کے اس قسم کے دستاویز کو زیادہ سے زیادہ عوام میں تقسیم کریں۔

۲: تمام مذہبی حلقہ ہائے فکر کے مابین باہمی میل جول، مکالمہ اور تبادلہ خیال کے مواقع پیدا کریں اور ہم آہنگی کے بیانیہ کو زیر بحث لائیں۔

۳: تنوع اور اختلاف کے فطری وجود اور آداب پر مباحث اور تربیتی نشستوں کا انعقاد کیا جائے۔

۴: علمائے کرام کے متفقہ ہم آہنگی کے بیانیہ اور تحقیقی مواد کی نشر و اشاعت کے لیے منصوبہ سازی؛ مذہبی جرائد و رسائل میں مضامین کی اشاعت مرکزی ذرائع ابلاغ میں ان موضوعات پر مباحث سوشل میڈیا کے ذریعے مکالمہ (فیس بک اور واٹس اپ گروپس بنائے جائیں)

۵: بین المسالک ہم آہنگی اور رواداری کے لئے جید علماء کی سرپرستی میں ایک پرامن تحریک کا آغاز کیا جائے۔ اور بین المسالک علماء کا ایک غیر سیاسی انجمن بنائی جائے جو مختلف مدارس اور مساجد میں جاکر ان موضوعات کو زیر بحث لائیں۔

6. برداشت ورواداری کے فروغ کے لئے شاعری اور ترانوں سمیت فنون لطیفہ اور صحت مندانہ سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے۔

7. وطن سے محبت اور انسانی ہمدردی کی نظمیں اور ڈاکومینٹر یز بنا کر نشر کئے جائیں۔

8. علمائے کرام، مدارس او رکالجز کے طلباء کو بین الاقوامی تعلقات، سفارتکاری کے آداب اور موجودہ ریاستوں کی خارجہ پالیسی کے حوالے سے آگاہی فراہم کی جائے۔

9. جدید ریاست کیا ہے؟ اس کے خدوخال کیا ہیں؟ معاشرہ کی سماجی ضروریات کیا ہیں؟ آئین کا کیا مقصد ہے؟ اس طرح کے موضوعات پر علمائے کرام کی تربیت اور تحقیق کی رغبت ان کو منفی سرگرمیوں سے روکنے میں مددگار ہوسکتی ہے۔

10. ہر مسلک کے اندر مصلحین اور داعیان اتحاد سے روابط قائم کریں اور مختلف

سرگرمیوں کے انعقاد کر کے ان کو تقویت پہنچائیں۔

11. مسلکی اختلاف کے حوالے سے سول سوسائٹی کی تعلیم و تربیت اور ذہن سازی سب سے موثر کردار ادا کر سکتی ہے۔ معاشرے کے تمام با اثر طبقات کی ذہن سازی کو مستقل طور پر موضوع بنانا چاہیے، اس لیے کہ کسی بھی رویے کو جب تک عام معاشرے کی طرف سے تائید اور ہمدردی نہ ملے، وہ جڑ نہیں پکڑ سکتا۔

12. دینی راہ نماؤں کی ذہنی و نفسیاتی تربیت بھی کام کا ایک اہم میدان ہے۔ اس کے لیے استعداد کار میں اضافہ کے باقاعدہ منصوبے بنانے چاہییں اور مستقبل کے متوقع دینی قائدین کو فکر و شعور کے ساتھ ساتھ ایسی عملی مہارتیں بھی سکھانی چاہئے جن سے ان کا کردار مثبت رخ پر ڈھل سکے اور وہ اپنی مساعی کو تعمیر معاشرہ پر مرکوز کر سکیں

13. مختلف تعلیمی اداروں میں اسلامک سٹڈیز کے ٹیچرز کی تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے اور انہیں اس جیسے بیانیوں پر خصوصی تربیت دی جائے۔

حکومت / ریاست

1. فتویٰ کو کسی باقاعدہ نظام کے تحت لایا جائے اور افتاء کو مرکزی شکل دی جائے۔ انفرادی طور پر ایسے فتووں پر پابندی لگائی جائے جن کا تعلق ایک فرد کی بجائے سماج اور اجتماعی معاملات سے ہو یا جن سے انتشار کا خطرہ ہو۔

2. تکفیر کے مسئلہ کے حل کیلئے حکومت کی زیر سرپرستی ایک ادارہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔

3. ایوان بالا کی ایک کمیٹی بنائی جائے جس میں ذمہ دار علماء شامل کئے جائیں اور تحقیق و جتہاد کی روشنی میں نہی عن المنکر، جہاد، فتنہ اور دیگر مذہبی اصطلاحات پر ایک متفقہ موقف پیش کیا جائے۔

4. دار العلوم فرنگی محل کی طرز پر ایک ایسی یونیورسٹی یا مدرسہ کے قیام کی ضرورت ہے جہاں تمام مسالک کے طلباء بلا خوف و خطر آزادانہ مکالمہ کر سکیں اور جہاں تمام مسالک کی تعبیر و تفسیرات پڑھائی جائیں۔

5. سیاسی حکام خود کو کسی خاص فرقے کے ساتھ منسلک کرنے سے باز رہیں۔ کیوں کہ کسی ایک فرقے سے ان کے منسلک ہو جانے سے اقتدار، دوسرے فرقے کے عقائد

کے خلاف استعمال ہونے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

6. قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکاروں کی فرقہ وارانہ تنازعات سے نمٹنے کیلئے تربیت کی جائے۔

7. مسلکی منافرت اور شدت پسندی کے ترغیبی ذرائع کو روکنے کے لئے ریاست کو کردار ادا کرنا چاہیے۔

8. کسی بھی شہری کے قتل پر ریاست کا ردِعمل فوری ہونا چاہیے۔قتل کو فرقہ وارانہ تناظر کی بجائے ایک قتل کے طور پر دیکھنا اور تحقیقات کرنا چاہیے۔مسلکی بنیاد پر قتل ہونے والوں کی صحیح تحقیقات کی جائیں اور قاتل کو سزا دی جائے۔

9. قانون کی بلا امتیاز حکمرانی قائم کی جائے۔ریاست ہر اندھے قتل میں مدعی بنے۔

10. ریاست کی سطح پر حکومت عسکریت پسند تنظیموں کی معاونت ختم کرکے ان کو قومی دھارے میں شامل کرے۔

11. فرقہ وارانہ تشدد میں حکومت کا کردار زیادہ تر خاموش تماشائی کا ہے اور بعض پہلوؤں سے منفی بھی ہے۔حکومتوں نے فرقہ وارانہ تقسیم کا مقابلہ کرنے کے بجائے اسے اکاموڈیٹ کرنے اور سیاسی مقاصد کے لئے اسے استعمال کرنے کی پالیسی بنائی ہوئی ہے جو تقسیم کو تسلسل دینے اور مضبوط تر کرنے کی ذمہ دار ہے۔اس پالیسی میں بھی بنیادی تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

12. امامت وخطابت سمیت دیگر حکومتی اشتہارات میں فرقہ وارانہ عنوانات سے گریز کیا جائے۔

13. اتحاد امت کے دستاویز کو سکولوں، کالجز، اور یونیورسٹیز کے نصاب کا حصہ بنایا جائے۔احترام اور آداب اختلاف کو پرائمری تعلیم کا حصہ بنایا جائے۔

14. حکومت سماجی اور سیاسی تنظیموں ،مدارس اور مساجد کو ملنے والی بیرونی امداد پر چیک اینڈ بیلنس کا نظام وضع کرے۔اور مثبت کام کرنے والوں کی تحسین کی جائے۔

15. مسلکی ہم آہنگی کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات،علماء کے ۲۲ نکات اور آئین پاکستان میں موجود قوانین پر حکومت مکمل عملدرآمد کروائے۔

ملی یکجہتی کونسل

تمام مکاتب فکر کے جید اکابرین کی مشاورت اور سربراہی میں ملی یکجہتی کونسل بنی، جنہوں نے سنی، شیعہ سمیت دیگر مکاتب فکر کے لئے ایک ضابطہ اخلاق ترتیب دیا، شیعہ، سنی، بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث، جماعت اسلامی سمیت تمام مذہبی او ر سیاسی تنظیموں نے اسے منظور کیا اور اس پر باقاعدہ دستخط کئے، جو پاکستان کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔ اس معاہدے اور ضابطہ اخلاق کا اصل متن بمع دستخط پائے اکابرین جملہ مسالک ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ کرے کہ تمام علماء کرام ایک بار پھر متفق و متحد ہو کر اس ضابطہ اخلاق پر عمل شروع فرمائیں۔ (مرتب)

غور و خوض اور بحث و تمحیص کے بعد ضابطہ اخلاق کے مندرجہ ذیل نکات پر اتفاق ہوا:

1۔ اختلافات اور بگاڑ کو دور کرنے کے لیے ایک اہم ضرورت یہ ہے کہ تمام مکاتب فکر نظم مملکت اور نفاذ شریعت کے لیے ایک بنیاد پر متفق ہوں چنانچہ اس مقصد کے لیے ہم 31 سرکردہ علماء کے 22 نکات کو بنیاد بنانے پر متفق ہیں۔

2۔ ہم ملک میں مذہب کے نام پر دہشت گردی اور قتل و غارت گری کو اسلام کے خلاف سمجھتے ہیں اس کی پرزور مذمت کرنے اور اس سے اظہار برات کرنے پر متفق ہیں۔

3۔ کسی بھی اسلامی فرقہ کو کافر اور اس کے افراد کو واجب القتل قرار دینا غیر اسلامی اور قابل نفرت فعل ہے۔

4۔ عظمت رسولؐ، عظمت اہل بیتؓ اطہار و امام مہدیؑ، عظمت ازواج مطہراتؓ اور عظمت صحابہ کرامؓ ایمان کا جز ہے ان کی تکفیر کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ان کی توہین و تنقیص حرام اور قابل مذمت و تعزیر جرم ہے۔

5۔ ایسی ہر تقریر و تحریر سے گریز و اجتناب کیا جائے گا جو کسی بھی مکتب فکر کی دل آزاری اور اشتعال کا باعث بن سکتی ہے۔

6۔ شر انگیز اور دل آزار کتابوں، پمفلٹوں اور تحریروں کی اشاعت، تقسیم و ترسیل نہیں کی جائے گی۔

7۔ اشتعال انگیز اور نفرت انگیز مواد پر مبنی کیسٹوں پر مکمل پابندی ہوگی اور ایسی کیسٹیں چلانے والا قابل سزا ہوگا۔

8۔ دل آزار، نفرت آمیز اور اشتعال انگیز نعروں سے مکمل احتراز کیا جائے گا۔

9۔ دیواروں، ریل گاڑیوں، بسوں اور دیگر مقامات پر دل آزار نعرے اور عبارتیں لکھنے پر مکمل پابندی ہوگی۔

10۔ تمام مسالک کے اکابرین کا احترام کیا جائے گا۔

11۔ تمام مکاتب فکر کے مقامات مقدسہ اور عبادت گاہوں کے احترام و تحفظ کو یقینی بنایا جائے گا۔

12۔ جلسوں، جلوسوں، مساجد اور عبادت گاہوں میں اسلحہ خصوصاً غیر قانونی اسلحہ کی نمائش نہیں ہوگی۔

13۔ عوامی اجتماعات اور جمعہ کے خطبات میں ایسی تقریریں کی جائیں گی جن سے مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنے میں مدد ملے۔

14۔ عوامی سطح پر ایسے اجتماعات منعقد کیے جائیں گے جن سے تمام مکاتب فکر کے علماء بیک وقت خطاب کر کے ملی یک جہتی کا عملی مظاہرہ کریں۔

15۔ مختلف مکاتب فکر کے حقوق اور مشترکہ عقائد و نکات کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کا اہتمام کیا جائے گا۔

16۔ باہمی تنازعات کو افہام و تفہیم اور تحمل و رواداری کی بنیاد پر طے کیا جائے گا۔

17۔ ضابطہ اخلاق کے عملی نفاذ کے لیے ایک اعلیٰ اختیاراتی بورڈ تشکیل دیا جائے گا جو اس ضابطہ کی خلاف ورزی کی شکایات کا جائزہ لے کر اپنا فیصلہ صادر کرے گا اور خلاف ورزی کے مرتکب کے خلاف کاروائی کی سفارش کرے گا۔

ساجد میر

کنوینر کمیٹی

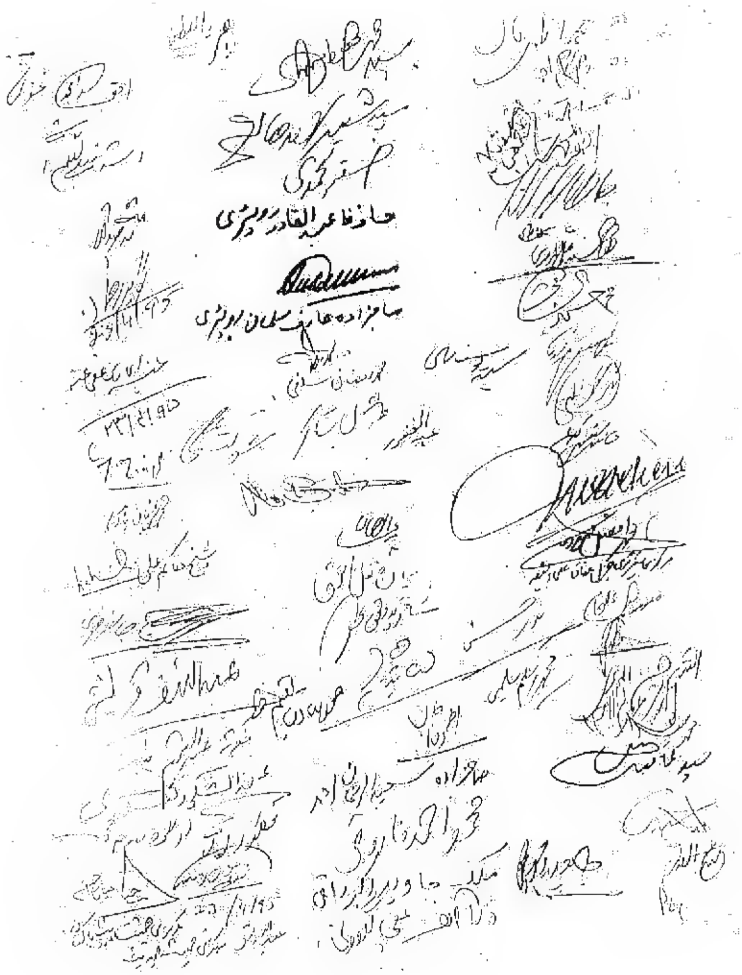
حافظ عبدالقادر روپڑی
صاحبزادہ عارف سلمان روپڑی